www.dawateislami.net

سلسلہ : رسائلِ فتاوٰی رضویہ

جلد: سولھویں

رسالہ نمبر 1

۱۳۳۶ھ

جوالُ العلوّ لتبیّن الخلو

مسئلہ خلو کی وضاحت کے لئے بُلندی کی گردش

پیشکش : مجلسِ آئی ٹی (دعوتِ اسلامی)

رسالہ
جوالُ العلوّ لتبیّن الخلو ۱۳۳۶ھ
(مسئلہ خلو کی وضاحت کے لئے بُلندی کی گردش)

مسئلہ ۶۹ تا ۷۳: از قصبہ لاہرپور ضلع سیتاپور بمکان سید شاہ ولایت احمد صاحب مرسلہ وجد الحسن صاحب ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

(۱) اوقاف میں کسی شخص کو کچھ اراضی بطور خلو جس کا ذکر شامی ج ۴ کتاب البیوع بحث خلوالحوانیت میں ہے زر پیشگی لے کر اس شرط پر دینا کہ وہ اجر مثل سال بسال اپنے زر پیشگی میں محسوب کرتا رہے جائز ہے یا ناجائز، اور واضح رہے کہ اس حصہ اراضی موقوفہ کا لگان سالانہ جس موقوف علیہ کے واسطے مخصوص ہے اس نے اپنی ضرورت کے واسطے زر پیشگی لیا ہے اور اسی نے زر پیشگی لینے والے سے معاملت خلو کی ہے اور اس موقوف علیہ کو اس حصہ موقوفہ پر حق متولیانہ بھی حاصل ہے۔

(۲) صاحب خلو کو یعنی جس کو ایسی اراضی دی گئی ہو اراضی کا لگان یعنی اجر مثل ادا کرکے جو منافع اس اجر مثل سے زائد ہو، لینا درست ہے یا نہیں؟

(۳) اگر صاحب خلو خود اپنی کاشت کرکے یا اپنی کوشش سے اجر مثل کی آمدنی سے زائد آمدنی اراضی مذکور کے

اپنے مقابضت خلو کے زمانہ میں بڑھادے تو اس اضافہ کا صاحب خلو مستحق ہے یا نہیں؟

(۴) نمبر ۲ و نمبر ۳ کی صورت بظاہر رہن دخلی کی سی ہے اور رہن دخلی کا منافع سود ہے، پس خلو اور رہن دخلی میں کیا فرق ہوا اور جواز خلو کی کیا صورت ہے اور نفس خلو کون سا معاملہ ہے اور اس کی کیا تعریف ہے؟

(۵) ایک وقف قدیمہ مشہورہ خاندانی میں اہل خاندان موقوف علیہم و متولیان نے ضرورت مصارف ضروریہ وقفی پر آمدنی وقف موجود نہ ہونے کی حالت میں اور مہاجنان سے بوجہ وقف قرضہ نہ ملنے کی وجہ سے اکثر اوقات یہ کیا کہ بعض حصص اراضیات وقف کو زر پیشگی لے کر زر مذکور دینے والے کے قبضہ میں دے دی اور دستاویز ٹھیکہ نامہ لکھ دی کہ اس قدر سالانہ لگان اس اراضی کا ٹھیکہ دار اپنے زر پیشگی میں مجرا اور بعد وصول کل زر پیشگی مذکور ایک حصہ میعاد پر وہ اراضی صاحب خلو سے واپس ہو کر متولیان و موقوف علیہم کے قبضہ میں آگئی، اس کارروائی سے منکرین وقف عدم وقف کا استدلال کرتے ہیں، یہ استدلال صحیح ہے یا نہیں اور معاملت ٹھیکہ داری مذکور معاملت خلو سے سمجھی جائے گی یا اس کے علاوہ ناجائز سمجھی جائے گی اور ان واقعات اور ارتکاب سے وقف کالعدم ہو جائے گا یا باقی رہے گا اور ایسے فعل کا مرتکب قابل تولیت رہے گا یا نہیں، اگر کسی کے مورث نے یہ فعل کیا ہو تو اس کا وارث تولیت پائے گا یا نہیں؟

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم . الحمد للہ الذی لاخلو لشیئ من کرمہ . والصلوٰۃ والسلام علی من وقف علی الکون موائد کرمہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ المتولین اجراء حکمہ وحکمہ۔

اولاً: خلو خود باطل وبے اصل ہے، مذہب حنفی بلکہ نوسو برس تک مذاہب اربعہ میں کہیں اس کا پتا نہیں، دسویں صدی میں ایک عالم مالکی المذہب امام ناصر الدین لقانی قدس سرہ نے اسے جائز کیا، اسی صدی کے نصف آخر میں صاحب اشباہ رحمہ اللہ تعالٰی نے اسے برخلاف مذہب اعتبار عرف خاص پر مبنی قرار دیا، اسی صدی اور اس کے بعد کے محققین مثل شیخ الاسلام علی مقدسی وعلامہ حسن شرنبلالی وعلامہ محمد آفندی زیرک زادہ وعلامہ خیر الملۃ والدین رملی وعلامہ سید احمد حموی وغیرہم رحمہم اللہ تعالٰی نے اسے رد فرمادیا۔ حاشیۃ الرملی علی الاشباہ میں ہے:

قولہ ویصیر الخلوفی الحانوت حقالہ الخاقول : والفتوی علی خلاف ذٰلک . مقدسی [1]۔	اس کا قول کہ اور دکانوں میں خلو اس کا حق بن جاتا ہے الخ **اقول:** (میں کہتا ہوں) فتوٰی اس کے خلاف ہے، مقدسی۔ (ت)

[1] نزہۃ النواظر علی الاشباہ والنظائر مع الاشباہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۱۴

اسی میں ہے:

قدعلمت ان الصحیح خلافه بقوله ان المذھب عدم اعتبار العرف الخاص[2]۔	تو معلوم کرچکا ہے کہ صحیح اس کے خلاف ہے اس کے قول سے کہ عرف خاص کا اعتبار نہ ہونا مذہب ہے (ت)

شرح الاشباہ لزیرک زادہ میں ہے:

العرف لایجوز ماکان محظورا فی الشرع واما بیع الخلو اذا لم یکن ملاصقا بالحانوت فجائز شرعا فانه حق لمالکه وما وضعه فی الحانوت بالاجارۃ مشروع لکن الحانوت اذاکان ملکا یملك صاحبھا خراجه منه اذاانقضی مدته المعروف وان لم تکن له مدۃ معلومة تکون الاجارۃ فاسدۃ وکذااذاکان الحانوت وقفا قد نص الفقھاء علی انه لاتجوز الاجارۃ فیه فوق ثلاث سنین کما فی الوقایة فلااعتبار للعرف سواء کان خاصا او عاما حین وجد النص فی الشرع علٰی خلافه وقد مرمنا تحقیقه فتذکر[3]۔	عرف جب شرعًا ممنوع ہو تو معتبر نہیں، لیکن خلو کی بیع اگر دکانوں سے متعلق نہ ہو تو شرعًا جائز ہے کیونکہ یہ خلو مالک کا حق ہے لیکن یہ دکانوں کے اجارہ میں مشروع ہے مگر دکان اگر کسی کی ملکیت ہو تو معینہ مدت ختم ہو جانے پر مالک ہی آمدن کا حقدار ہوگا اور اگر مدت معین نہ ہو تو یہ اجارہ فاسد ہوگا اور یونہی اگر دکان وقف ہو تو بھی وہ اجارہ فاسد ہوگا کیونکہ فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ وقف کا اجارہ تین سال سے زائد جائز نہیں جیسا کہ وقایہ میں ہے، لہٰذا جب کوئی عرف شرعی نص کے خلاف ہو خواہ عرف عام ہو یا خاص، تو اس کا اعتبار نہ ہوگا، اس میں ہماری تحقیق گزر چکی ہے، اسے یاد کرو۔ (ت)

اس میں اس سے ایک ورق قبل ہے:

انمایعتبر العرف والعادۃ فیما لم یرد نص الشرع علی خلافه وسینقل فی السطر الثالث بعدھا ان الودیعة والعین المؤجرۃ غیر مضمونتین بحال فلا یعتبر فیه العرف بعد النص علی خلافه من الفقھاء[4] اھ	وہی عرف اور عادت معتبر ہے جس کے خلاف شرعی نص نہ ہو، اس کے بعد تیسری سطر میں نقل کرینگے کہ امانت اور کرایہ پر دی ہوئی عین چیز کسی حال میں مضمون نہیں ہوتی لہٰذا اس کے ضمان پر عرف ہو تو اس کے خلاف فقہاء کی نص ہونے کی وجہ سے یہ عرف معتبر نہیں ہوگا اھ،

[2] نزہۃ النواظر علی الاشباہ والنظائر مع الاشباہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۱۵(۲)

[3] شرح الاشباہ لزیرک زادہ

[4] شرح الاشباہ لزیرک زادہ

وھذا ما اشار الیہ بقولہ وقد مرمنا تحقیقہ۔	یہ وہ عبارت ہے جس کے متعلق انہوں نے اشارہ کرتے ہوئے کہا "اور ہماری تحقیق اس میں گزری ہے۔(ت)

غمزالعیون میں ہے:

(قولہ علی اعتبارہ(ای العرف الخاص)ینبغی ان یفتی بان مایقع فی بعض اسواق القاھرۃ من خلوالحوانیت لازما ویصیر الخلوحقالہ قیل علیہ کیف ینبغی ان یفتی بہ مع کونہ مخالفا لقواعد الشرع الشریفۃ انتھی وقال شیخنا(یرید العلامۃ الشرنبلالی رحمھما اللہ تعالٰی فی رسالتہ"مفیدۃ الحسنی"بعد نقل کلام المصنف رحمہ اللہ تعالٰی قولہ ینبغی الخ ممالاینبغی فانہ لامماثلۃ بین ما اعتبر من المسائل المبینۃ علی العرف الخاص وبین الخلو لان اعتبار العرف الخاص علی ماقیل بہ فی جمیع تلک المسائل ضررھا التزم بہ فاعلھا مختار النفسہ او مقتصرا فی استیفاء شرط یمنع عنہ الضرر،واماالوقف فناظرہ لایملک اتلافہ ولاتعطیلہ وقد ثبت ان المذھب عدم اعتبار العرف الخاص[5]۔	"قولہ علی اعتبارہ" یعنی عرف خاص کے اعتبار پر، یہ فتوٰی مناسب ہوگا کہ قاہرہ کے بازاروں میں جو دکانوں کا خلو ہے وہ لازم ہو اور خلو اس کا حق بن جائے،اس پر اعتراض ہے کہ یہ فتوٰی کیسے مناسب ہوگا جبکہ یہ شرع شریف کے قواعد کے خلاف ہے اھ،اور ہمارے شیخ(ان سے مراد علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ہیں) نے اپنے رسالہ مفیدۃ الحسنٰی میں مصنف رحمہ اللہ تعالٰی کا کلام نقل کرنے کے بعد فرمایا "قولہ ینبغی" مناسب ہے الخ، یہ غیر مناسب ہے کیونکہ عرف خاص میں معتبر مسائل جو بیان ہوئے ان میں اور خلو میں کوئی مماثلت نہیں ہے کیونکہ عرف خاص والے تمام مسائل میں یہ اعتبار ہے کہ ان میں ضرر والی چیز کو خود فاعل نے اپنے لئے پسند کیا ہے یا ضرر سے مانع شرط کو پورا کرنے میں اقتصار کیا ہے لیکن وقف کا ناظم تو اس میں کسی چیز کے تلف یا معطل کرنے کا مالک نہیں ہے اور جبکہ یہ ثابت ہوچکا ہے کہ عرف خاص کا اعتبار نہ کرنا مذہب ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

قداشتھر نسبۃ مسئلۃ الخلؤ الی مذھب	مسئلہ خلو کی نسبت عالم مدینہ حضرت مالک بن انس

[5] غمز العیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر مع الاشباہ الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۵

عالم المدینة مالك بن انس رضی الله تعالٰی عنه والحال ان لیس فیها نص عنه ولا عن احد من اصحابه. حتی قال البدر العراقی (مالکی) انه لم یقع فی کلام الفقهاء التعرض بمسئلة الخلو فیما اعلم وانما فیها فتیا للعلامة ناصر الدین اللقانی بناها علی العرف[6] الخ۔	رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف مشہور ہے حالانکہ ان کی اور ان کے کسی شاگرد کی اس میں تصریح نہیں، ہے، بدر العراقی مالکی نے فرمایا ہے کہ میرے علم کے مطابق خلو کا مسئلہ فقہاء کے کلام میں مذکور نہیں، اس میں صرف علامہ ناصر الدین لقانی کا فتوی ہے جس کو انہوں نے عرف پر مبنی قرار دیا ہے الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

للعلامة الشرنبلالی رسالة ردفیها علی الاشباہ بان الخلو لم یقل به الا متأخر من المالکیة (حتی افتی بصحة وقفه ولزم منه ان اوقاف المسلمین صارت للکافرین بسبب وقف خلوها علی کنائسهم وبان عدم اخراج صاحب الحانوت لصاحب الخلو یلزم منه حجر الحر المکلف عن مبلکه واتلاف ماله. بل لایجوز هذا فی الوقف وفی منع الناظر من اخراجه تفویت نفع الوقف وتعطیل ماشرطه الواقف اھ ملخصا قلت وماذکرہ حق خصوصا فی زماننا هذا[7]۔	علامہ شرنبلالی کا ایک رسالہ ہے جس میں الاشباہ کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ خلو کا قول ایک مالکی متاخر عالم کے سوا کسی نے نہیں کیا اس نے یہ فتوی تک دے دیا کہ اس کا وقف صحیح ہے حالانکہ اس فتوی سے لازم آتا ہے کہ مسلمانوں کے وقف کافروں کو منتقل ہو جائیں اس سبب سے کہ وہ خلو کو اپنے گرجوں کے لئے وقف کردینگے اور دکان کا مالک جب خلو والے کو اپنی دکان سے بید خل نہ کرسکے گا تو لازم آئے گا کہ آزاد مکلّف شخص اپنی ملکیت سے ممنوع ہو جائے اور اس کا مال تلف ہو کر رہ جائے، بلکہ یہ سب کچھ وقف میں جائز نہیں ہے اور وقف کے نگران کو خلو والے کی بے دخلی سے منع کرنا وقف کے منافع کو ضائع کرنا اور واقف کی لگائی ہوئی شرط کو معطل کرنا ہے اھ ملخصًا، **اقول:** (میں کہتا ہوں) انہوں نے جو فرمایا ہے وہ حق ہے خصوصًا ہمارے زمانے میں۔ (ت)

ثانیًا: صورت سوال کو خلو سے بھی کچھ علاقہ نہیں۔ خلو اس تحقیق و تنقیح پر جو بتوفیق اللہ تعالٰی ہم نے اپنی تعلیقات ردالمحتار میں کی یہ ہے کہ مکان یا دکان یا زمین کا مستاجر اپنا اجارہ ہمیشہ باقی رکھنے کو اس میں اپنے

---

[6] غمز العیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر مع الاشباہ الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۷

[7] ردالمحتار کتاب البیوع دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶

مال سے نہ اپنے لئے بلکہ اسی شیئ مستاجر سے الحاق اور اس کی حیثیت بڑھاتے اس کے فوائد کی تکمیل کے واسطے کچھ زیادت کرے خواہ متصل باتصال قرار، یا بے اس کے جیسے عمارت یا کنواں یا روشنی کا سامان یا پانی کے نل، وامثال ذٰلک، یا خود نہ کرے مؤاجر کو اس کے روپے دے دے جو اجرت کے علاوہ ہوں اس مال کے مقابل جو اسے ابقائے اجارہ کا حق ملتا ہے اس کا نام خلو ہے۔ رسالہ تحریر العبارۃ للعلامۃ الشامی میں ہے:

قال العلامه الشلامی فی رسالته"تحریر العبارۃ فیمن هواحق بالاجارہ"(تنبیه)قد یثبت حق القرار بغیر البناء والغرس بان تکون الارض معطلة فیستاجرها من المتکلم علیها لیصلحها للزرعة ویحرثها ویکسبها وهو المسمی بمشد المسکة فلا تنزع من یدہ مادام یدفع ماعلیها من القسم المتعارف کالعشر ونحوہ واذامات عن ابن توجه لابنه فیقوم مقامه فیها،وقد رأیت بخط شیخ مشائخنا خاتمة الفقهاء الشیخ ابراهیم السائحانی الغزی المسکة عبارۃ من استحقاق الحراثة فی ارض الغیر وذکر فی الحامدیة انها لا تورث وانما توجه للابن القادر علیها دون البنت اھ[8]، ثم افاض فی بیان الکردار والسکنی والجدك وانها اعیان قائمة فی الارض الی ان قال وهذا غیر	علامہ شامی نے اپنے رسالہ "تحریر العبارۃ فیمن ھو احق بالاجارۃ" میں فرمایا (تنبیہ) کبھی تعمیر اور پودے لگائے بغیر حق استقرار ثابت ہوتا ہے مثلاً یوں کہ کوئی زمین خالی پڑی ہو تو کسی خواہشمند کو اجارہ پر دی جائے تاکہ وہ اس کو زراعت کے لئے تیار کرے اور اس کو کاشت کرکے آباد کرے جس کو مشد المسکہ کہا جاتا ہے تو یہ زمین اس کاشتکار سے اس وقت تک واپس نہ لی جائے گی جب تک وہ اس کا متعارف محصول مثلاً عشر وغیرہ دیتا رہے اور اگر وہ کاشت کار کوئی بیٹا چھوڑ کر فوت ہوجائے تو یہ کاشتکاری کا حق اس کو منتقل ہوجائے گا اور وہ بیٹا اپنے باپ کے قائم مقام قرار پائے گا، میں نے اپنے شیخ المشائخ خاتمہ الفقہاء الشیخ ابراہیم السائحانی الغزی کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ "مسکہ" غیر کی زمین میں کاشتکاری کے استحقاق کا نام ہے، اور حامدیہ میں ذکر کیا ہے کہ اس استحقاق میں وراثت نافذ نہ ہوگی بلکہ صرف کاشتکاری پر قادر بیٹے کو یہ حق منتقل ہوگا اور بیٹی کو استحقاق نہ ہوگا، اھ، پھر انہوں نے کرایہ داری، سکنٰی اور جدک کی وضاحت میں فرمایا کہ یہ زمین میں باقی رہنے والے امور ہیں، آگے

[8] تحریر العبارۃ فیمن ھو احق بالاجارۃ رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۳ـ۱۵۲

الخلوالذی ذکرہ فی الاشباہ فانہ بمنزلۃ مشد المسکۃ المار وھو وصف لاعین قائمۃ فلایجوز بیعہ ولایورث وانما ینتقل الی الولد بطریق الاحقیۃ کمامر وما ذکرہ فی الاشباہ من جواز بیع الخلو ردوہ علیہ،وقد الف فی ردہ العلامۃ الشرنبلالی رسالۃ خاصۃ[9] اھ کلام الشامی ملتقطا۔	یہاں تک فرمایا کہ یہ امور اس خلو کا غیر ہیں جس کا ذکر الاشباہ میں کیا ہے کیونکہ یہ مشد المسکہ کی طرح ہے جس کا بیان پہلے گزرا ہے اور وہ خلو ایک وصف ہے جو باقی رہنے والی عین چیز نہیں ہے تو مشد المسکہ کی بیع ناجائز ہے اور وہ قابل وراثت نہیں ہے ارو صرف وہ بیٹے کو حقدار ہونے کی وجہ سے منتقل ہوتا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے اور الاشباہ میں خلو کی بیع کا جو جواز مذکور ہوا فقہاء کرام نے اس کو رد کیا ہے اور علامہ شرنبلالی نے ایک خاص رسالہ اس کے رد میں تالیف کیا ہے۔علامہ شامی کا کلام ملتقطا ختم ہوا۔
اقول: ومن الدلیل القاطع علی کون الخلو معنی لاعینا انہ لما استدل محمد بن ھلال الحنفی علی جواز الخلو بمافی جامع الفصولین وغیرہ عن الذخیرۃ والکبری والخانیۃ والخلاصۃ وواقعات الضریری اشتری سکنی وقف فقال المتولی ماأذنت لہ بالسکنی فامرہ بالرفع فلو اشتراہ بشرط القرار فلہ الرجوع علی بائعہ والافلایرجع علیہ بثمنہ ولابنقصانہ[10] اھ رموہ عن قوس واحدۃ انہ لم یفھم معنی السکنی لان المراد بھا عین مرکبۃ	**اقول:** (میں کہتا ہوں) خلو کے ایک معنوی چیز ہونے اور عین شیئ نہ ہونے پر قاطع دلیل یہ ہے کہ جامع الفصولین وغیرہ میں ذخیرہ، کبرٰی، خانیہ، خلاصہ اور واقعات ضریری سے منقول ہے اس بیان سے، کہ کسی نے وقف سکنٰی خریدا تو متولی نے کہا کہ میں اس سکنٰی کی اجازت نہیں دیتا اور وہاں سے سکنٰی ختم کرنے کا اس نے حکم دیا تو اگر اس خریدار نے وہ سکنٰی برقرار رہنے کی شرط پر خریدا تھا تو (متولی کے اس اقدام پر) وہ فروخت کرنے والے پر اپنے نقصان میں رجوع کرسکتا ہے ورنہ وہ اپنی لاگت اور نقصان میں بائع پر رجوع نہیں کرسکتا اھ، جب محمد بن ہلال حنفی نے خلو کے جواز پر استدلال کیا، تو سب نے

[9] تحریر العبارۃ فیمن ھو احق بالاجارۃ رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۵۵

[10] جامع الفصولین الفصل السادس عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۲۔۲۲۱،نزہۃ النواظر الاشباہ والنظاہر مع الاشباہ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۵۱۔۷۵۰

فی الحانوت وھی غیر الخلو ففی الخلاصة اشتری سکنی حانوت فی حانوت رجل مرکبا[11] الخ کمافی رد المحتار عن العلامة الشرنبلالی قال ثم نقل عن عدة کتب مایدل علی ان السکنی عین قائمة فی الحانوت[12]۔	ایک ہی انداز سے اس کارد کرتے ہوئے فرمایاکہ محمد بن ہلال کو سکنٰی معنٰی سمجھ نہیں آیا، کیونکہ سکنٰی سے مراد دکان میں لگائی ہوئی عین موجود چیز ہے اور وہ خلو کا مغایر ہے، توخلاصہ میں یوں ہے کہ ایک شخص کی دکان میں مرکب سکنٰی حانوت ہو الخ، جیساکہ ردالمحتار میں علامہ شرنبلالی سے نقل کرتے ہوئے کہا، انہوں نے پھر متعدد کتب سے نقل کیاکہ سکنٰی، دکان میں قائم رہنے والی ایک موجود عین چیز ہوتی ہے۔
قلت وقد نقلہ فی العقود الدریة وفی رسالتہ المذکورة عن التجنیس ثم نفس العبارة المستدل بھا منادیة بذاك اعلٰی نداء کما اوضحه السید الحموی مع غناہ عن الایضاح اذقال بعد نقل کلام العمادی اذا ادعی سکنی دار اوحانوت وبین حدودہ لایصح لان السکنی نقلیا فلایحدد وذکر رشید الدین فی فتاواہ و ان کان السکنی نقلی لکن لما اتصل بالارض اتصال تابید کان تعریفه بمابه تعریف الارض لان السکنی مرکب فی البناء ترکیب قرار فالتحق بمالا یمکن نقله اصلااھ	**قلت** (میں کہتا ہوں) انہوں نے اس کو عقود دریہ میں اور اپنے مذکورہ رسالہ میں تجنیس سے نقل کیا، پھر استدلال کرنے والے کی نفس عبارت بھی واضح طور اس کا اعلان کررہی ہے جیساکہ اسکو سید حموی نے واضح کیاحالانکہ وضاحت کی ضرورت نہ تھی، جہاں انہوں نے عمادی کاکلام نقل کرنے کے بعد فرمایاکہ اگر کوئی شخص گھریادکان کاسکنٰی کادعوی کرکے اس کی حدود کو بیان کرے تو اس کا یہ دعوی درست نہ ہوگا کیونکہ سکنٰی ایک منتقل ہونے والی چیز ہے اسلئے اس کی حد بندی نہیں ہوسکتی، رشید الدین نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیا ہے کہ اگرچہ سکنٰی منتقل ہونے والی چیز ہے لیکن جب وہ کسی خطہ زمین سے بختہ اتصال کرے تو پھر اسکی تعریف زمین کی تعریف کی طرح ہوگی کیونکہ سکنٰی عمارت کے ساتھ استقرار والی ترکیب حاصل

[11] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۶

[12] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۶

مانصه فظهرلك بهذاان السكنى هو ما يكون مركبا فى الحانوت متصلا به فهو اسم عين لااسم معنى كما فهمه البعض وليس فى كلامهم مايفيد ماتوهمه هذاالبعض،الاترى تمام العبارة الذى نص فيها على حقيقة السكنى انه شيئ مركب يرفع فهل يستفاد من هذاالمعنى المعبر عنه بالخلو ايظن ان الخلو يرفع ثم يرد على بائعه ويقال لواشتراه بشرط القرار يرجع على بائعه بثمنه ويرد عليه والافلا يرجع عليه بثمنه ولانقصانه الحاصل بالقلع من الدكان،سبحٰنك هذابهتان عظيم [13] اھ کلام الحموی فتبین ان الخلو وصف معنوی لاعین تقلع او ترفع وتنقل۔	کرلیتا ہے تو اس کا شمار بھی ان چیزوں میں ہو جاتا ہے جو بالکل قابل انتقال نہیں ہوتیں،اس کی عبارت ختم ہوئی، تو اس بیان سے آپ پر واضح ہوگیا کہ سکنٰی کا دکان کے ساتھ ترکیبی اتصال ہوتا ہے لہٰذا وہ ایک موجود عین چیز ہے نہ کوئی معنوی وصف ہے جیسا کہ بعض نے خیال کیا ہے جبکہ اس کے اس خیال کے لئے کسی کا کلام مفید نہیں ہے، سکنٰی کی حقیقت بیان کرنے والے کی پوری عبارت آپ دیکھ نہیں رہے کہ انہوں نے کہا ہے سکنٰی ایک ایسی چیز ہے جو مرکب ہوتی ہے جسے ختم کیا جاسکتا ہے کیا اس سے یہ خلو کا معنی سمجھا جاسکتا ہے جس سے یہ گمان کیا جاسکے کہ خلو کو ختم کیا جائے پھر وہ بائع پر واپس لوٹا دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ اگر خلو کو استقرار کی شرط پر خریدا ہو تو بائع سے رجوع کرکے رقم واپس لی جائے اور خلو کو واپس کردے ورنہ رقم واپس نہ لے اور دکان کو اکھاڑنے سے جو نقصان ہوا وہ واپس نہ لے،سبحان اللہ! یہ تو بہتان عظیم ہے، حموی کا کلام ختم ہوا، تو واضح ہوگیا کہ خلو ایک معنوی وصف ہے اور سکنی کی طرح باقی رہنے والی مستقل چیز نہیں جس کو اکھاڑا یا ہٹایا یا ختم کیا جاسکے۔
اقول: لکن فی حاشیة السیدین العلامتین ط وش علی الدر عن حواشی الاشباہ للعلامة السید ابی السعود رحمھم اللہ ان الخلو	**اقول:** (میں کہتا ہوں) لیکن علامہ طحطاوی اور علامہ شامی دونوں قابل احترام حضرات نے در پر اپنے حواشی میں علامہ سید ابوسعود (رحمھم اللہ تعالٰی) سے نقل کرتے ہوئے فرمایا، کہ،خلو کااطلاق متصل

[13] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۷-۳۶-۱۳۶

یصدق بالعین المتصل اتصال قرار وبغیرہ والمراد بالمتصل اتصال قرار ماوضع لالیفصل کالبناء،و بالمتصل لاعلی وجہ القرار کالخشب الذی یرکب بالحانوت لوضع عدۃ الحلاق مثلا فان الاتصال وجد لکن لاعلی وجہ القرار وکذا یصدق ان بمجرد المنفعۃ المقابلۃ بالدراھم اھ[14] وزادط عنہ قبل ھذا اعلم ان الخلو یصدق بما اتصل بالعین قرار اتصال کالبناء بالارض المحتکرۃ ویصدق بالدراہم التی تدفع بمقابلۃ التمکن من استیفاء المنفعۃ اذماذکرہ المصنف یعنی صاحب الاشباہ من ان السلطان الغوری لما بنی حوانیت الجملون اسکنہا التجار بالخلو وجعل لکل حانوت قدرا اخذہ منہم الخ صریح فی ان الخلو فی حادثۃ السلطان الغوری عبارۃ عن المنفعۃ المقابلۃ للقدر الماخوذمن التجار فیرجع الی ماذکرہ العلامۃ الاجہوری من ان الخلو اسم لما یملکہ دافع الدراھم من المنفعۃ التی دفع الدراھم بمقابلتہا وعلی ھذافلایکون الخلو خاصا بالمتصل بالعین اتصال قرار بل

استقراری عین چیز اور غیر استقراری دونوں پر ہوتا ہے اور متصل استقراری سے مراد وہ چیز ہے جو عمارت میں باقی رکھنے کیلئے لگائی ہو اور متصل غیر استقراری سے مراد مثلاً لکڑی جیسی کوئی چیز جس کو دکان میں لگا کر حجام کے سامان رکھنے کیلئے خانے بنائے جائیں یہ بھی اتصال ہے لیکن یہ علٰی وجہ الاستقرار نہیں ہوگا اور یوں ہی قراری اور غیر قراری کا مصداق وہ منفعت بھی بنتی ہے جو دراہم کے عوض حاصل کی جاتی ہے اھ،اور علامہ طحطاوی نے اس سے قبل علامہ ابوسعود سے یہ زائد نقل کیا ہے کہ واضح رہے کہ خلو کا اطلاق کسی عین چیز کے ساتھ متصل ہونے والی چیز پر ہوتا ہے جیسے عمارت کسی کرایہ کی زمین پر ہو،اور کسی منفعت کو دارہم کے بدلے حاصل کرنے کی قدرت پر بھی اسکا اطلاق ہوتا ہے،اور مصنف یعنی صاحب اشباہ نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ سلطان غوری نے جب جملون کی دکانیں تعمیر کرائیں تو انہوں نے وہاں تجار کو خلو کے طور پر سکنٰی دیا اور ہر دکان کا کچھ بدل مقرر کرکے ان سے وصول کیا الخ، سلطان غوری کا یہ واقعہ صریح ہے کہ خلو اس منفعت کا نام ہے جو تجار حضرات سے وصول کردہ کا بدل ہے،تو یہ علامہ الاجہوری کے اس بیان کی طرف راجع ہے کہ خلو اس منفعت کا نام ہے جس کا دراہم دینے والا دراہم کے بدلے مالک بنتا ہے اور اس بناء پر خلو،استقراری اتصال والی عین چیز سے خاص نہیں ہے بلکہ اس پر اور غیر استقراری پر بھی

[14] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷

یصدق بہ وبغیرہ[15] الخ فھذا یفید ان من الخلو ماھو عین قائمۃ کالبناء والخشب المرکب الاان نقول السید الازھری لم یقل الخلو یصدق علی العین المتصل وانما قال یصدق بالعین وذٰلك ان یدفع صاحب الخلو دراہم للواقف مثلا لیبنی فی الوقف و یکون لہ بازائہ منفعۃ استبقاء الاجارۃ فالخلو ھو ھذا المعنی لاالعین، نعم صدقہ بسبب العین وبھذا یفسر مافسر بہ الاجھوری الخلو فالمنفعۃ ھی حق الاستبقاء کما افادہ السید ابوالسعود بقولہ تدفع بمقابلۃ التمکن من استیفاء المنفعۃ فھذاالتمکن ھوالمراد بالمنفعۃ فی تفسیر الاجھوری لکن نقل السید الحموی فی الغمز عن فاضل متأخر مالکی انہ قال بعد نقل کلام العلامۃ نورالدین علی الاجھوری المذکور ظاھرہ سواء کانت تلك المنفعۃ عمارۃ کأن یکون فی الوقف اماکن آئلۃ الی الخراب فیکریھا ناظر الوقف لمن یعمرھا، ویکون ماصرفہ	صادق آتا ہے الخ، تو یہ بیان اس بات کو مفید ہے کہ خلو، قائم رہنے والی عین چیز مثلاً عمارت اور عمارت پر لگی ہوئی لکڑی دونوں کا نام ہے، الایہ کہ ہم سید ازہری کے متعلق یہ کہیں کہ انہوں نے خلو کا صدق متصل عین پر نہیں کیا بلکہ عین چیز کے عوض پر کیا ہے، یہ یوں کہ خلو والا شخص واقف کو کچھ دراہم دے کر کہے کہ ان سے وقف میں وقف کے اضافہ کے لئے کچھ تعمیر کرے اور اس کے عوض اس کے لئے اجارہ کی منفعت کو باقی رکھنا ہوگا تو خلو اس معنیٰ کا نام ہوگا خاص عین چیز کا نام نہ ہوگا، ہاں اس معنیٰ پر اس کا صدق عین چیز کے سبب سے ہوا، خلو کی جو تفسیر علامہ اجھوری نے کی اس کو اسی تفسیر پر محمول کیا جائیگا تو منفعت سے مراد وہاں یہی اجارہ کے حق کی بقاء کا مطالبہ ہے جیسا کہ علامہ ابوسعود نے اپنے قول" دراہم، منعت کو پورا کرنے کی قدرت کے مقابلہ میں دئے جائیں" سے افادہ فرمایا، علامہ اجھوری کی تفسیر میں منفعت سے یہی تمکن مراد ہے، لیکن سید حموی نے غمز میں ایک مالکی متاخر فاضل سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے علامہ اجھوری کے مذکور کلام پر علامہ نورالدین کے حاشیہ کو نقل کرنے کے بعد فرمایا اجھوری کے کلام سے ظاہر ہے کہ منفعت عمارت ہو کہ وقف کی عمارت کا کوئی حصہ خراب ہورہا ہو تو اسے وقف کا ناظم کسی ایسے شخص کو کرایہ پر دے دے جو اس کی تعمیر کرکے خرچہ

[15] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب البیوع دار المعرفۃ بیروت ۳ /۱۰

خلواله ویصیر شریکا للواقف بمازادته عمارته اوکانت المنفعة غیر عمارة کوقید مصباح مثلا ولوازمه لاخصوص العمارة خلافا لمن خص المنفعة بهادون غیرها اذ المعتبر انما هو عود الدراہم لمنفعة فی الوقف عمارة کانت او غیرہا اھ[16]۔ **اقول:** فهذا نص فی ان نفس العمارة خلو ولایمکن تاویله بماذکرنا فی کلام السید الازهری ان المراد ان یعمرها للوقف لالنفسه کیف وانه فسربه المنفعة الواقعة فی تفسیر العلامة الاجهوری وهو یقول اسم لما یملکه دافع الدراہم من المنفعة[17] الخ الا ان یجعل من هذه للتعلیل والمنفعة المنفعة الآئلة الی الوقف وتنقسم الی عمارة وغیرہا فیکون مایملکه هو التمکن من استبقاء الاجارة لاجل تلك المنفعة التی اوصلها الی الوقف لکن یکدر قول الاجهوری فی مقابلتها فان دفعه الدراہم انما هو بمقابلة ذٰلك التمکن	کے بدلے اپنے لئے خلو بنالے اور زائد عمارت میں وہ حصہ دار بن جائے یا وہ منفعت غیر عمارت ہو مثلاً چراغ کے لئے کوئی خانہ اور اس کے لوازمات بنالے جو عمارت سے متعلق ہوں نہ کہ خاص وہ عمارت، یہ عام معنٰی اس شخص کے برخلاف ہے جو خلو کو صرف منفعت سے مختص کرتا ہے، یہ اس لئے کہ خلو دراہم کا بدل ہے خواہ وہ عمارت ہو یا کوئی اور چیز ہو۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ مذکورہ کلام اس بات میں صریح نص ہے کہ خلو صرف عمارت کا نام ہے، اس کی وہ تاویل جو ہم نے سید ازہری کے کلام میں کی ہے ممکن نہیں کہ وہ وقف کا اضافہ ہو، ذاتی ملکیت نہ ہو، یہ تاویل کیونکر ممکن ہوگی جبکہ وہ یہ بات علامہ اجہوری کی اس کلام کی تفسیر میں کہہ رہے ہیں جس میں اس نے کہا ہے کہ خلو اس منفعت کا نام ہے جس کا وہ دراہم کے عوض میں مالک بنتا ہے الخ الا یہ کہ ہم "من المنفعة" کے "من" کو تعلیل کے لئے قرار دیں اور منفعت سے مراد وہ منفعت ہو جو وقف کے حق میں ہو، تو خلو عمارت اور غیر عمارت دونوں پر منقسم ہو جائے تو اجارہ کی بقا کے حق کا وہ مالک اس منفعت کے عوض ہوگا جس کو اس نے وقف میں شامل کیا ہے، لیکن اجہوری کا یہ قول کہ "دراہم منفعت کے مقابل ہیں" رد ہو جائیگا کیونکہ اس کے دراہم اجارہ کے دوام کے

[16] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۷

[17] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب البیوع دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۱۰

لابدل تلك المنفعة الآئلة الی الوقف وانما هی حاصلة للوقف لاله بتلك الدراہم فلامخلص الاان یقال ان هذا کلام متاخر من المالكیة فیكون الخلو عندهم شاملا للعین والمعنی وعندنالیس الا المعنی والعین تسمی باسم اٰخر کالسكنی کیف وقد قال هذاالمالكی بعده اما کونه اجارةلازمة فهذالا نزاع فیه(ای عندهم)ووجهه ان الواقف لمایریدان یبنی محلا للوقف فیأتی له اناس یدفعون له دراہم علی ان یكون لكل شخص محل من تلك المواضع التی یرید الواقف بناءها فاذا قبل منهم تلك الدراہم فكانه باعهم تلك الحصة بمادفعوه له وکانه لم یقف جزء من تلك الحصة التی لكل،وغایته انه وظف علیهم کل شهر کذافلیس للواقف فیه بعد ذٰلك تصرف الا بقبض الحصة الموظفة فقط ولیس له ان یوجهه لغیره وکان رب الخلوصار شریکاللواقف فی تلك الحصة[18]اھ

مقابل ہیں نہ کہ وقف کے لئے منافع کے مقابل ہونگے وقف کے منافع تو صرف وقف کے لئے ہیں،دراہم دینے والے کے لئے دراہم کا بدل نہیں تو اس عبارت کا کوئی مخلص نہیں سوائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ مالکی حضرات کاآخری کلام ہے تو ان کے ہاں خلو،عین اور معنٰی دونوں کو شامل ہے اور ہمارے ہاں خلو صرف معنٰی کا نام ہے اور عین چیز کا ہمارے ہاں کوئی اور نام ہے مثلًا اسے سکنٰی کہا جائے گا اس حقیقت کا انکار کیسے ہوسکتا ہے جبکہ خود اس مالکی فاضل نے اس کے بعد کہا اس خلو کا اجارہ لازمہ ہونے میں نزاع نہیں (یعنی مالکیوں کے ہاں)اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب واقف نے کوئی تعمیر وقف میں کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے پاس لوگ آکر دراہم پیش کریں اور کہیں کہ ہم اس حصہ میں اپنے اپنے لئے مخصوص خطہ تعمیر کرینگے تو جب واقف ان سے دراہم اس شرط پر قبول کرلے گا تو گویا اس نے یہ حصہ ان لوگوں کو معاوضہ پر فروخت کردیا اور گویا اس نے ہر ایک کا مخصوص خطہ وقف سے مستثنٰی کردیا اور نتیجتًا اس نے ہر ایک پر ماہانہ شرح سے کچھ وظیفہ مقرر کردیا تو اسکے بعد اب واقف کو اس حصہ میں کسی تصرف کا حق نہ رہا ماسوائے اس کے کہ وہ فقط مقررہ وظیفہ وصول کرتا رہے اور اب وہ حصہ کسی دوسرے کو دینے کا مجاز نہ ہوگا گویا کہ خلو والا ہر شخص اس حصہ میں واقف کے ساتھ شریک قرار پائے گا اھ،

[18] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۷،۳۸

فقد جعل الخلو عقارا او جزء من تلك الارض مبیعا من ھٰؤلاء مستثنٰی من الوقف، ولذا قال وفائدۃ الخلو انہ کالملك فتجری علیہ احکامہ من بیع واجارۃ وھبۃ ورھن ووفاء دین وارث ووقف[19] الخ۔	تو یوں اس فاضل نے خلو کو مکانیت سے تعبیر کیا اور وقف شدہ زمین کا ایک حصہ ان لوگوں کے ہاتھ فروخت کرکے وقف سے خارج قرار دیا اور اس لئے اس نے کہا کہ خلو کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ مملوکہ جگہ کی طرح ہوگا اور اس میں ملکیت کے احکام، بیع، اجارہ، ہبہ، رہن، قرض میں منہا کرنا، وراثت اور وقف جاری ہوں گے الخ،
اقول: ثم فی کلام ذٰلك الفاضل المالکی خدشۃ اخری فانہ جعل العمارۃ خلوا وقال فی بیانہ یکون ماصرفہ خلوا لہ وانما المصروف الدراہم ھذا وبقی مااسلفناہ عن اُفندی زیرك زادہ من بیع الخلو اذالم یکن ملاصقا بالحانوت وان وضعہ فی الحانوت بالاجارۃ مشروع۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں) اس مالکی فاضل کے کلام میں ایک اور خرابی ہے کہ یہاں اس نے عمارت کو خلو کہا ہے جبکہ پہلے وہ اپنے بیان میں کہہ چکا ہے کہ مال صرف کیا ہے وہ خلو ہوگا، حالانکہ جو صرف کیا ہے وہ دراہم ہیں عمارت نہیں ہے، یہ قابل توجہ ہے۔ زیرک زادہ آفندی سے جو ہم پہلے ذکر کرآئے ہیں اس میں ایک امر باقی ہے کہ انہوں نے کہا ہے جب خلو دکان سے ملصق نہ ہو اور ویسے کرایہ کی دکان میں رکھا ہو تو اس کی بیع جائز ہے۔
اقول: احسن مایعتذر عنہ انہ اطلق علیہ اسم الخلو تجوزا وان الخلو یطلق علیھما وان ماکان منہ عینا مملوکۃ لصاحب الخلو فلا کلام فی جواز بیعہ بل ووقفہ ان تعورف وکانت الارض موقوفۃ او محتکرۃ والذی حدث وانکرہ المحققون ھوالخلو بمعنی المعنی واللہ	**اقول:** (میں کہتاہوں) ان کی طرف سے بہترین تاویل یہ ہوگی کہ انہوں نے اس علیحدہ چیز کو مجازاً خلو کہا ہے یا یہ کہ خلو کا اطلاق دونوں صورتوں پر کیا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ خلو والے کی کوئی مملوک عین چیز ہو تو اس کے فروخت کرنے بلکہ عرف میں وقف کی صورت ہو تو وقف کرنے کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے جبکہ زمین وقف یا کرایہ کی رہے گی وہ چیز جو نئی ہے اور محققین نے اس کا انکار کیا ہے وہ

[19] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۸

تعالٰی اعلم وبہ یحصل التوفیق بین کلامی ابن ہلال والرادین علیه بان کلامه فی العین القائمة ولاشك ان الاستشهاد علیه بفرع السکنی صحیح اذن لایرد علیه شیئ مماذکروا و کلامهم فی المعنی المعروف فلاخلف ان ساعده کلام ابن ہلال فی رسالته والعلم بالحق عند علام الغیوب،ثم من العجب قول العلامة المنقح فی العقود الدریة الخلو عبارة عن القدیمة ووضع الید[20] اھ **اقول:** سبحٰن اللّٰه مجرد کونه واضع یده منذ زمان وھو المعبر عنه فی المبتدعات قانون النصارٰی بحق موروثی کیف یصیر حقاً وکیف یسوغ ان یقول به وبجواز بیعه احد وقد قدم المنقح نفسه قبیل ھذا مانصه، واما ما فی القنیة یثبت حق القرار فی ثلاثین سنة فی الارض السلطانیة والملك وفی الوقف فی ثلاث سنین ولو باع حق قراره فیها جاز،وفی الهبة اختلاف،ولو ترکها بالاختیار تسقط قدمیته،حاوی الزاھدی اھ فالمراد به الاعیان	خلو معنوی ہے،اس تاویل سے ابن ہلال اور اس کا رد کرنے والوں کے کلاموں میں موافقت ہوجائیگی کہ ابن بلال کی گفتگو قائم رہنے والی عین چیز کے متعلق ہے اور اب اس پر سکنٰی کے طور پر تفریع بلاشک درست ہوگی اور کوئی اعتراض نہ رہے گا،ور معترضین کا کلام خلو کے معروف معنی کے متعلق ہے لہذا کوئی مخالفت نہ رہی بشرطیکہ ابن بلال کی اپنے رسالہ میں گفتگو اس تاویل کا ساتھ دے، حقیقت کا علم تو اللہ تعالٰی علام الغیوب کے ہاں ہے، پھر عقود الدریہ تنقیح کرنے والے علامہ کا یہ قول عجیب ہے کہ خلو قدیم دخل اور قبضے کا نام ہے اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) سبحٰن اللہ کچھ زمانہ سے محض قابض ہونے جس کو نصارٰی کے قانون میں موروثی حق کہتے ہیں جو کہ ایک نئی بدعت ہے، سے کیسے حق ثابت ہوسکتا ہے اس حق کے ثبوت اور اس کے بیع کے جواز کی بات کوئی کیسے کرسکتا ہے جبکہ خود یہ صاحب تنقیح اس بیان سے تھوڑا پہلے کہہ چکے ہیں، وہ یہ عبارت ہے کہ، لیکن قنیہ میں جو یہ کہا ہے کہ سلطانی زمین پر تیس سالہ قبضہ سے حق القرار اور ملکیت ثابت ہوجاتی ہے اور اگر قابض اس زمین کے حق قرار کو فروخت کرنا چاہے تو جائز ہے جبکہ ہبہ کرنے میں اختلاف ہے،اور اگر قابض خود اس حق سے دستبردار ہوجائے تو قدیمی حق (حق القرار) ساقط ہوجائے گا،حاوی الزاہدی،اھ،تو اس حق سے اعیان قیمتی مراد ہیں

[20] العقود الدریة فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیة باب مشد المسکة ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۱۸

المتقومة لامجرد الامر المعنوی لما علمت من عدم صحة بیعه ویدل علی ذٰلك قوله فی البزازیة ولاشفعة فی الکردار ای البناء ویسمی بخوار زم حق القرار لانه نقلی اھ[21] ثم ستسمع الاٰن نصه الصریح علی انکارہ فسبحٰن من لاینسی ھذا، وقال فی ردالمحتار قد یقال ان الدراہم التی دفعها صاحب الخلو للواقف واستعان(ای الواقف)بها علی بناء الوقف شبیھة بکبس الارض بالتراب فیصیرله حق القرار فلا یخرج من یدہ اذاکان یدفع اجر المثل ومثله ما لو کان یرم دکان الوقف ویقوم بلوازمها من ماله باذن الناظر ،امامجرد وضع الید علی الدکان ونحوھا وکونه یستاجرھا عدة سنین بدون شیئ مماذکر فھو غیر معتبر(الٰی ان قال)ومن افتی بلزوم الخلو الذی یکون بمقابلة دراہم یدفعهاللمتولی او المالك العلامة المحقق عبد الرحمٰن افندی العمادی صاحب ھدیة ابن العماد وقال فلایملك صاحب الحانوت	نہ کہ صرف معنوی امر ہے کیونکہ تو معلوم کرچکا ہے کہ امر معنوی کی بیع جائز نہیں ہے اس پر بزازیہ کا قول، کہ کردار یعنی عمارت جس کو خوارزم میں حق القرار کہتے ہیں میں شفعہ کا حق نہیں ہے، کیونکہ یہ حق منتقل ہونے والی چیز ہے اھ،اس کے اس بیان کے باوجود اب تم ان سے صریح طور پر اس بیان کا انکار سن رہے ہو، پس وہی ذات پاک ہے جو بھولتی نہیں ہے، یہ قابل غور ہے۔ ردالمحتار میں فرمایا: خلو والا جو دراہم واقف کو دیتا ہے اور واقف بطور امداد ان دراہم کو وقف کی تعمیر پر خرچ کرتا ہے اس کے متعلق کہا جائے گا کہ یہ زمین میں مٹی ڈالنے کے مشابہ ہے جس کے ذریعہ اس کو حق استقرار حاصل ہوجاتا ہے تو جب تک مثلی اجرت دیتا رہے گا اس کے قبضہ کو ختم نہیں کیا جاسکے گا، اسی کی مثل ہے جب وقف دکان بوسیدہ ہوجائے تو وقف کے نگران کی اجازت سے کوئی شخص اس کو اپنے مال سے مرمت کرلے تو مروج کرایہ ادا کرنے کی شرط پر استقرار حق ہوجائے، لیکن دکان وغیرہ پر محض قبضہ ہونا کہ چند سالوں سے کرایہ دار ہے اور دراہم دینے کی مذکورہ صورت نہ ہو تو استقرار حق معتبر نہ ہوگا (آگے یہاں تک فرمایا) متولی یا مالک کو دئے گئے دراہم کے عوض خلوکے لزوم کا فتوٰی دینے والوں میں علامہ محقق عبدالرحمٰن آفندی عمادی صاحب ہدیہ ابن عماد ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ دکان کا مالک خلو والے کا

[21] العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة باب مشد المسکة ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۱۸

اخراجه ولااجارتهالغيره مالم يدفع له المبلغ المرقوم فيفتی بجواز ذٰلك للضرورة قياسا علی بيع الوفاء الذی تعارفه المتأخرون احتيالا علی الربا الخ، **قلت** وهو مقيد ايضا بماقلنا بما اذاكان يدفع اجر المثل والا كانت سكناه بمقابلة مادفعه من الدراہم عين الربا كما قالوافيمن دفع للمقرض دارالیسکنها اوحمارالیرکبه الی ان یستوفی قرضه انه یلزمه اجرة مثل الداراو الحمار علی ان مایأخذه المتولی من الدراہم ینتفع به لنفسه فلو لم یلزم صاحب الخلواجرة المثل للمستحقین یلزم ضیاع حقهم، اللھم الا ان یکون ماقبضه المتولی صرفه فی عمارة الوقف حیث تعین ذٰلك طریقا الٰی عمارته ولم یوجد من یستأجر باجرة المثل مع دفع ذٰلك المبلغ اللازم للعمارة، فحینئذ قد یقال بجواز سکناه بدون اجرة المثل الضرورة ومثل ذٰلك یسمی فی زماننا مرصدا کماقدمناه فی الوقف واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم[22] اھ	قبضہ ختم نہ کرسکے گا اور نہ کسی اور کو کرایہ پر دے سکے گا جب تک خرچ شدہ رقم اس کو واپس نہ کردے، تو اس خلو کے جواز کا ضرورت کی بنا پر فتوٰی دیا جائے گا، یہ قیاس ہوگا اس بیع وفا پر جس کو متاخرین نے سود سے بچنے کے لئے متعارف کرایا ہے الخ **قلت** (میں کہتا ہوں) یہ جواز بھی ہمارے مذکور بیان کہ جب تک مروج کرایہ دیتا رہے گا، کی قید سے مقید ہے، ورنہ یہ سکنٰی ان دراہم کے مقابلہ میں قرار پائے گا جو اس نے مالک کو دئے ہیں جو کہ عین سود ہے جیسا کہ فقہاء نے فرمایا کہ کسی نے قرض دینے والے کو رہائش کے لئے مکان دیا یا سواری کے لئے گدھا دیا تھا کہ جب تک قرض واپس نہ ہو اس کے استعمال میں رہے، تو اس صورت میں قرض دینے والے پر مکان یا گدھے کا مروج کرایہ ادا کرنا لازم ہوگا (ورنہ سود ہوگا) علاوہ ازیں متولی نے جو دراہم وصول کئے وہ ان کو ذاتی مفاد میں صرف کرے گا تو خلو والے پر اگر مروج کرایہ لازم نہ کیا جائے تو مستحقین وقف کا حق ضائع ہوگا، ہاں اگر متولی وصول کردہ دراہم کو وقف کی عمارت میں خرچ کرے جہاں وقف عمارت میں خرچ کرنے کی ضرورت واضح ہو، اور اس مرمت شدہ عمارت کو مروج کرایہ بمع صرف شدہ رقم، دینے والا کوئی نہیں تو ایسی صورت میں کہا جاسکتا ہے کہ متولی کو رقم دینے والا اس میں ضرورت کے پیش نظر بغیر کرایہ رہائش کرسکتا ہے، ایسی صورت کو ہمارے زمانہ میں "مرصد" کہا جاتا ہے

[22] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶و۱۷

اقول: قد قدم الکلام علی الوقف وانہ لابد ان یدفع اجر المثل فعودہ الیہ ثانیا وقولہ وھو مقید ایضا بما قلنا ان ارادبہ مسألۃ الواقف کما حط علیہ اٰخر کلامہ کان تکرارا ولم یکن محل لایضاد وان ارادبہ مسألۃ الملك لان کلام العمادی کان فیھما فلاحامل علی ایجاب اجر المثل الا ان یکون مال الیتیم بل لو نقص من اجر المثل فی الوقف لم یجز من جھۃ النقص لالانہ عین الربا لان تلك الدراھم لاتدفع قرضا بل اعانۃ للوقف والصرف فی مایؤل نفعہ الیہ و لاتسترد ابدا الاان یخرجہ الناظر فح یستردھا کما ذکر المحقق العمادی وعن ھذا کانت کبیع الوفاء فالدراھم فیہ لیست قرضا عند مجوزیہ والاکان الانتفاع بہ عین الربا کما ھو المتعمد فیہ اما الدفع لیصرفہ المتولی الی نفسہ فحاش ﷲ لیس من الخلو فی شیئ بل عین رشوۃ ولیس لاحد من المسلمین

جیسا کہ ہم نے وقف کے بیان میں اس کو بیان کردیا ہے، **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم** **اقول:** (میں کہتا ہوں) رد المحتار میں انہوں نے پہلے وقف کی بحث میں کلام کیا اور فرمایا کہ مثلی اجرت اور کرایہ ضروری ہے، پھر ان کا دوبارہ اس کو بیان کرنا اور یہ کہنا کہ عمادی کا یہ بیان بھی ہمارے سابقہ قول کے ساتھ مقید ہے، اگر اس سے وقف کا مسئلہ مراد ہے جیسا کہ انہوں نے اس پر بات ختم کی ہے، تو یہ تکرار ہے، اور عمادی کی مخالفت کا محل نہ ہوا اگرچہ ذاتی ملکیت کا مسئلہ مراد ہو کیونکہ عمادی کا کلام دونوں صورتوں کے بیان میں ہے بہر حال مثلی اجرت کے بیان کی ضرورت نہیں، ہاں اگر وہ ملکیت کسی یتیم کی ہو تو مثلی اور مروج اجرت ضروری ہوگی بلکہ وقف والی صورت میں تو مروج کرایہ سے کم بھی ہو تو کمی کی وجہ سے ناجائز ہوگا نہ کہ سود ہونے کی وجہ سے، کیونکہ یہ دی گئی رقم بطور قرض نہیں بلکہ وقف کے لئے اعانت کے طور پر دی گئی ہے جس کے منافع بالآخر وقف کی طرف راجع ہیں اور یہ رقم بیدخلی کے بغیر ناقابل واپسی ہے صرف بے دخلی پر واپس ہوگی جیسا کہ علامہ عمادی نے ذکر کیا، اسی وجہ سے یہ صورت بیع الوفاء کی مانند قرار پاتی ہے کیونکہ اس کے مجوزین حضرات کے ہاں وہ دراہم بطور قرض نہیں ہیں، ورنہ تو مکان دکان سے انتفاع عین سود ہے جیسا کہ یہی معتمد علیہ بات ہے، لیکن یہ صورت کہ وقف کا متولی اپنی ذات کے لئے دراہم کو صرف کرے، اس غرض سے دینا تو ہرگز خلو نہیں بلکہ یہ تو رشوت ہے جس کے جواز کے متعلق کوئی بھی مسلمان قول نہیں کرسکتا چہ جائیکہ اس

ان یقول بجواز مثلہ فضلا عن لزومہ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	رشوت کولازم قرار دیا جائے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

پھر اگر خلو وقف میں ہو تو شرط ہے کہ یہ عقد خود واقف یا متولی کرے دوسرے کو اختیار نہیں، نیز لازم کہ وہ روپیہ خاص وقف کی منفعت صحیحہ میں صرف ہونہ کہ واقف یا متولی یا کسی اور کے کام میں، نیز ضروری کہ وقف کو اس امداد کی حاجت ہو اگر وقف خود اپنی منفعت کو پورا کرسکتا ہے تو خلو باطل ہے۔ تنویر الابصار ودر مختار میں ہے:

الموقوف علیہ الغلۃ اوالسکنی لایملك الاجارۃ الا بتولیۃ او اذن قاض لان حقہ فی الغلۃ لافی العین[23]۔	کسی کے لئے غلہ یا سکنٰی وقف ہو تو وہ زمین کو اجارہ پر دینے کامالک صرف تولیت یا قاضی کی اجازت سے ہوسکتا ہے ورنہ نہیں کیونکہ اس کا حق صرف غلہ ہے عین چیز یعنی زمین نہیں ہے۔(ت)

غمز العیون میں ہے:

شروط صحۃ الخلو ان یکون مابذل من الدراہم عائدا علی جھۃ الوقف بان ینتفع بھا فیہ فمایفعل الاٰن من اخذ الناظر الدراہم من ذی الخلو ویصرفھا فی مصالح نفسہ ھو فھذا الخلوغیر صحیح ویرجع الدافع بدراھمہ علی الناظروان لایکون للوقف ریع یعمر منہ فان کان یفی لعمارتہ ومصاریفہ فلایصح فیہ حینئذ خلو،فلو وقع کان باطلا وللمستأجر الرجوع علی الناظر بما دفعہ من الدراہم،وان یثبت ذٰلك الصرف علی منافع	خلو کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے ہے کہ دراہم کے خرچ کرنے سے وقف کو فائدہ ہو کہ ان کا نفع وقف میں شامل ہو، اور آج کل جو کچھ کیا جارہا ہے وہ یہ کہ وقف کا نگران خلو والے سے دراہم لے کر اپنے ذاتی مفاد میں خرچ کرتا ہے تو یہ باطل ہے لہٰذا دراہم دینے والے کو حق ہے کہ وہ نگران سے واپس وصول کرے اگرچہ وقف کی اتنی آمدن نہ ہو جس سے اس کی تعمیر ہوسکے اور اگر اتنی آمدن ہو جس سے وقف کی عمارت وغیرہ مصارف پورے ہوسکتے ہوں تو اب اس میں خلو صحیح نہ ہوگا اگر خلو کیا تو باطل ہوگا اور مستاجر کو دئے ہوئے اپنے دراہم واپس لینے کا حق ہوگا،اور اگر واقعی دراہم کے فوائد وقف کے لئے ہوں تو بھی محض نگران کی تصدیق ثبوت

[23] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۷

الوقف بالوجه الشرعی فلو صدقه الناظر علی التصرف من غیر ثبوت ولاظهور عمارة ان کانت هی المنفعة فلا عبرة بهذاالتصدیق لان الناظر لایقبل قوله فی مصرف الوقف حیث کان لذٰلك الوقف شاهد[24] اھ نقله عن ذٰلك الفاضل المالکی مقرا بل معتمدا حیث قال هذاخلاصة ماحرره بعض فضلاء المالکیة فی تالیف مستقل فی ذٰلك والله الهادی الٰی قوام المسالك وانما اطنبنا الکلام فی هذا المقام لکثرة دوران الخلو بین الانام واحتیاج کثیر من القضاة الیها وابتناء کثیر من الاحکام علیها خصوصا قضاة الاوهام الذین لیس لهم شعور ولاالهام[25] اھ.

اقول: ماذکر من عدم تصدیق الناظر مسلم ان کان مسرقا مفسدااو کذبه الظاهر کأن یدعی صرفها الی العمارة ولاعمارة والا فلعله عندالمالکیة اما عندنا فالناظر امین والقول قول الامین مالم یکذبه الظاهر قال فی الدرالمختار لوادعی المتولی الدفع قبل قوله الخ[26] وفی ردالمحتار عن الاسعاف وعن شرح الملتقی عن شروط

اور موقعہ پر عمارت کے وجود کے بغیر قابل تقسیم نہیں ہے جبکہ منافع کا تعلق عمارت سے ہو، کیونکہ جب وقف کے منافع قابل مشاہدہ ہوں تو مصرف کے متعلق محض نگران کا قول قابل قبول نہیں ہوتا اھ،اس کو غمزالعیون نے اس مالکی فاضل سے ثابت بلکہ معتمد قرار دیتے ہوئے نقل کیا جہاں انہوں نے کہا کہ بعض مالکی فضلاء نے اس بحث کو اپنے مستقل رسالہ میں جو تحریر کیا ہے یہ اس کاخلاصہ ہے، اللہ تعالٰی ہی مضبوط راستہ کی راہنمائی فرمانے والا ہے۔ہم نے اس بحث کو اسلئے طول دیا کہ لوگوں میں خلو رواج کثیر ہے اور بہت سے قاضی حضرات کو اس کی ضرورت درپیش ہے اور اس پر بہت سے احکام مبنی ہیں خصوصًا وہم پرست قاضیوں کے لئے جن کو فہم وشعور نہیں ہے اھ۔

اقول: (میں کہتا ہوں)اس کا یہ ذکر کرنا کہ نگران کی تصدیق کافی نہیں ہے یہ وہاں درست ہے جہاں نگران مفسد اور چور ہو یا ظاہر حال نگران کو جھوٹا قرار دے مثلاً یہ کہ وہ عمارت پر صرف کرنے کا دعوٰی کرتا ہو حالانکہ موقعہ پر عمارت کا وجود ہی نہیں ہے،ورنہ ہوسکتا ہے کہ یہ مالکی حضرات کا موقف ہو، لیکن ہمارے ہاں جب تک ظاہر حال نگران کو نہ جھٹلائے اس وقت تک نگران کو امین قرار دیا جائیگا اور اس کی بات ہی معتبر ہوگی، درمختار میں فرمایا ہے کہ اگر متولی ادا کرنے کا دعوٰی کرتا ہو تو اس کی بات قابل تسلیم

[24] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۹۔۱۳۸

[25] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۹۔۱۳۸

[26] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۲

الظهيرية وعن البحر عن وقف الناصحی اذا آجر الواقف او قيمه او وصيه او امينه ثم قال قبضت الغلة فضاعت اوفرقتها على الموقوف عليهم وانكروا فالقول له مع يمينه [27] اھ وفيه عن الحامدية عن بيرى زاده عن احكام الاوصياء ،القول فی الامانة قول الامين مع يمينه الا ان يدعی امرا يكذبه الظاهر فحينئذ تزول الامانة و تظهر الخيانة فلايصدق [28] اھ وفيه عنها عن المفتی ابی السعود انه ان كان مفسدا مبذرا لايقبل قوله بصرف مال الوقف بيمينه [29] اھ بل استظهر السيد الحموی نفسه فی امانات الغمز قبول قوله ولو بعد عزله مستندا بمسائل ،منها ان الوصی لو ادعی بعد موت اليتيم انه انفق عليه كذا يقبل

ہوگی الخ اور ردالمحتار میں اسعاف اور شرح ملتقی سے ظہیریہ کی شروط اور بحر کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ناصحی کے وقف کے حوالہ سے کہا ہے کہ جب واقف یا ناظم یا وصی یا امین نے وقف زمین کرایہ پر دی اور پھر کہا میں نے غلہ (اجرت) وصول کرلی ہے جو ضائع ہوگئی یا موقوف علیہ لوگوں میں تقسیم کردی ہے وہ لوگ انکار کریں تو قسم لے کر متولی وغیرہ کی بات تسلیم کرلیجائیگی اھ ،اور اسی ردالمحتار میں حامدیہ سے بیری زادہ کے حوالہ سے منقول ہے کہ وصی حضرات کے احکام کی بحث میں فرمایا کہ دیانت کے معاملہ میں قسم کے ساتھ ناظم کی بات تسلیم کرلی جائے گی ماسوائے ایسے معاملہ کے جس میں ظاہرًا جھوٹ کا مدعی ہو تو ایسی صورت میں اس کی دیانت ختم اور خیانت واضح ہونے کی بناء پر تصدیق نہ کی جائے گی اھ اسی میں حامدیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے مفتی ابوسعود سے نقل کیا ہے کہ اگر متولی وغیرہ مفسد اور فضول خرچ ہو تو وقف کے مال کو صرف کرنے کے متعلق اس کی قسم کے باوجود بات قبول نہ کیجائیگی اھ ،بلکہ سید حموی نے ظاہر قرار دیتے ہوئے غمز کی امانات کی بحث میں فرمایا کہ اس کی بات قبول ہوگی اگرچہ اس کے معزول ہونے کے بعد اس کا قول ہو۔اس بات کو حموی نے کئی مسائل سے ثابت کیا ہے،ان میں سے ایک یہ ہے

[27] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۲۵

[28] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۲۵

[29] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۲۵

قولہ وعللوہ بانہ اسندہ الی حالۃ منافیۃ للضمان[30] اھ فکانہ سکت ھٰھنا معتمد اظھورہ واللہ تعالٰی اعلم۔	کہ وصی شخص یتیم کی موت کے بعد دعوی کرے کہ میں نے یتیم پر اتنا مال صرف کیا ہے تو اس کی بات قبول کی جائے گی، اور اس کی وجہ انہوں نے یہ بیان کی ہے کہ وصی کا یہ بیان ایسی حالت کی طرف منسوب ہے جو ضمان کے منافی ہے،اس پر ان کا سکوت ظاہر پر اعتماد کی دلیل ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

ظاہر ہے کہ زرمذکور فی السوال نہ ضرورت وقف کے لئے لیا گیا نہ وقف میں صرف ہوا بلکہ ایک شخص کی اپنی ذاتی غرض میں اگرچہ وہ متولی بھی ہے نہ وہ روپیہ حق استبقائے اجارہ کے بدلے ہے،نہ اجرت مثل اس سے جدا ہے بلکہ اسی میں محسوب ہوا کرے گا تو کسی طرح خلو سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا بلکہ یقیناً وہ ایک قرض ہے کہ اس موقوف علیہ نے لیا اور اس کے بدلے وقف کو رہن کیا اور منافع حرام کو مقرض پر مباح کردیا وقف کا رہن خود ہی باطل ہے، تنویر الابصار میں ہے:

فاذا تم ولزم لایملك ولایملك ولایعار ولایرھن[31]۔	جب وقف لازم وتام ہوجائے تو وہ کسی کا مملوکہ نہ کسی کو تملیک نہ عاریۃً اور نہ ہی بطور رہن دیا جاسکتا ہے۔(ت)

نہ کہ رہن دخلی کہ ملک کا بھی حرام ہے،تو یہ عقد حرام در حرام، ظلم در ظلم، ظلمات بر ظلمات ہے،واجب الرد ہے گیرندہ پر جب تک نہ چھوڑے وقف کے لئے اجر مثل تو خود ہی لازم ہوگا فان منافع الوقف مضمونۃ مطلقاً (کیونکہ وقف کے منافع مطلقاً قابل ضمان ہوتے ہیں۔ت) اور جو کچھ اس سے زائد حاصل کرے گا وہ بھی اسے حلال نہیں وقف کردے یا تصدق کرے،اور اول اولٰی ہے **کمافی الخیریۃ والعقود الدریۃ وغیرھما** (جیسا کہ خیریہ اور عقود الدریہ وغیرہ میں ہے۔ت) یہاں تک چار سوالوں کا جواب شافی ہوگیا اور پنجم کا بھی کہ اس معاملہ کو خلو سے علاقہ نہیں اگرچہ روپیہ ضروریات وقف ہی کے لئے لیا اور انہیں میں صرف کیا کہ یہ روپیہ بمقابلہ استبقائے اجارہ علاوہ اجر مثل نہیں بلکہ اتنا زر اجر پیشگی لیا ہے وقتاً فوقتاً اجرت میں محسوب ہوگا اس سے عدم وقف خواہ اب انعدام وقف پر استدلال صریح جہل وضلال، وقف ثابت کسی کی ناجائز کارروائی سے نہ غیر ثابت ہوسکتا ہے نہ زائل ورنہ ابطال اوقاف ظالموں کے اختیار میں ہوجائے جب چاہیں کوئی ناجائز کام کردیں اور وقف باطل وزائل ہوجائے۔ہاں تفتیش طلب اس کارروائی کا جواز وعدم جواز ہے اس میں مسئلہ شرعیہ یہ ہے کہ

---

[30] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر کتاب الامانات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۷۳

[31] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

دیہات کا ٹھیکہ جس طرح ہندوستان میں رائج ہے کہ زمین مزارعوں کے اجارہ میں رہے اور توفیر ٹھیکے میں دی جائے بلاشبہہ حرام و مردود و باطل ہے کما حققناہ لامزید علیه فی کتاب الاجارۃ من فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اس کی آخری تحقیق اپنے فتاوٰی کی کتاب الاجارہ میں کردی ہے۔ت) فتاوٰی خیریہ لنفع البریہ میں ہے:

قریة وقف آجر المتکلم علیها ثلثها لرجل سنة بمال لیتناول مایتحصل من الثلث المذکور من الغلال صیفیها وشتویها هذه الاجارة باطلة غیر منعقدة لما صرح به علماؤنا قاطبة من ان الاجرة اذا وقعت علی اتلاف الاعیان قصدا لاتنعقد ولاتفید شیئا من احکام الاجارة فلیس للمستأجر ان یتناول شیئا من الغلال بل ذٰلك للوقف یصرف فی وجوهه المعینة [32]۔ (ملتقطا)	وقف گاؤں ہو اور موقوف علیہ شخص گاؤں کے تہائی حصہ کی آمدنی کو ایک سال کے لئے کسی مال کے بدلے اجارہ پر دے دے تاکہ اجارہ پر لینے والا شخص اس مال کے بدلے موسم گرما اور سرما کی آمدن کا تہائی حصہ حاصل کرلیا کرے تو یہ اجارہ باطل ہوگا اور منعقد ہی نہ ہوگا کیونکہ تمام علماء نے تصریح کی ہے کہ وہ اجارہ جو عین چیز کو قصدا تلف کرنے پر ہو وہ منعقد نہ ہوگا اور اجارہ کے احکام کے لئے مفید نہ ہوگا، اس لئے مذکورہ صورت میں اجارہ پر لینے والے کو اس آمدن کو لینے کا حق نہ ہوگا بلکہ یہ تمام آمدن وقف کے معینہ مصارف پر خرچ ہوگی۔ (ملتقطا)۔(ت)

اسی میں ہے:

الاجارة اذا وقعت علی اتلاف الاعیان قصدا کانت باطلة فلایملك المستأجر ماوجد من تلك الاعیان بل هی علی ماکانت علیه قبل الاجارة فتؤخذ من یده اذا تناولها ویضمنها بالاستهلاك لان الباطل لایؤثر شیئا فیحرم علیه التصرف فیها لعدم مبلکه وذٰلك کاستئجار بقرة لیشرب	جب اعیان کو تلف کرنے پر قصداً اجارہ کیا جائے تو باطل ہوگا لہٰذا اجارہ پر لینے والے کو ان اعیان کو حاصل کرنے کا حق نہ ہوگا بلکہ یہ اعیان یعنی غلہ وغیرہ وہیں خرچ ہوگا جہاں وہ اجارہ سے قبل خرچ ہوتے تھے اس لئے مستاجر (اجارہ لینے والے) کے قبضہ سے واپس لے لئے جائیں گے اگر اس نے وصول کرکے خرچ کرلئے اس سے ضمان وصول کیا جائے گا کیونکہ باطل معاملہ کوئی اثر نہیں رکھتا لہٰذا ان میں اس کا

[32] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۷

لبنها وبستان لياكل ثمرته ومثله استئجار مافى يد المزارعين لاكل خراجه[33]۔	تصرف حرام ہوگا اس لئے کہ وہ اس چیز کا مالک نہ تھا، اس کی مثال جیسے کہ گائے و بھینس کو دودھ کے لئے اجارہ پر لے اور مثلاً باغ کو پھل کھانے کیلئے اور وقف کے مزارعین کے زیر قبضہ زمین کو غلہ کرنے کے لئے اجارہ پر لے۔ (ت)

اسی میں ہے:

الالتزام والمقاطعة على ما يتحصل من قرية الوقف من خراج بمال معلوم من احد النقدين يدفعه الملتزم ويكون له مايتحصل منها قليلا كان او كثيرا لاتجوز اذلاوجه لها شرعا لكونها لاتتصور شرعًا ان تكون بيعا اذبعض المقاطع عليه معدوم وبعضه مجهول ولاان تكون اجارة لانها بيع المنافع والواقع عليه فى المقاطعة المشروحة اعيان لامنافع فهى باطلة بالاجماع[34] (ملتقطا)۔	کسی گاؤں کی آمدنی (حصہ بٹائی) حاصل کرنے کے لئے مقررہ نقد مال پر اجارہ کا فیصلہ اور التزام کرنا کہ جو قلیل یا کثیر حصہ بٹائی گاؤں سے حاصل ہو اس کو مستاجر حاصل کرے گا، تو یہ جائز نہیں، کیونکہ شرعًا اس کے جواز کی کوئی صورت نہیں، بیع اس لئے متصور نہیں ہوسکتی کہ معقود علیہ ابھی معدوم ہے اور کچھ حصہ مجہول ہے، اور اجارہ اس لئے متصور نہیں ہوسکتا کہ اجارہ منافع کی بیع کا نام ہے جبکہ مذکورہ صورت میں منافع کی بجائے اعیان (غلہ) پر سودا ہوا ہے، لہذا یہ بالاجماع باطل ہے۔ (ملتقطا)۔ (ت)

اسی میں ہے:

اذا استأجر القرى والمزارع لتناول خراج المقاسمة اوخراج الوظيفة فالاجارة باطلة باجماع علمائنا[35] (ملتقطا)	جب گاؤں یا زراعت جن پر سرکاری وظیفہ یا حصہ بٹائی حاصل ہوتا ہے کو اجارہ پر لینا تاکہ ان سے حاصل وظیفہ یا حصہ کو بدلے میں وصول کیا کرے تو ہمارے علماء کے ہاں بالاجماع یہ اجارہ باطل ہے۔ (ملتقطا) (ت)

[33] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۹

[34] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۶

[35] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۷

اسی میں ہے:

قریۃ ضمنہا من لہ ولایتہا لرجل بمال معلوم لیکون لہ خراجہا فالتضمین باطل اذلایصح اجارۃ لوقوعہ علی اتلاف الاعیان قصدا ولابیعالانہ معدوم[36] (ملتقطا)	کوئی شخص مقررہ مال کے بدلے گاؤں کی آمدن کو کسی شخص کیلئے حاصل کرے تاکہ آمدن اس کے لئے ہوجائے تو یہ باطل ہے کیونکہ یہ اجارہ اس لئے نہیں ہوسکتا کہ یہ سودا منافع پر نہیں بلکہ اعیان (غلہ) کے تلف کرنے پر قصداً ہوا ہے اور بیع بھی نہیں کیونکہ یہ معدوم چیز پر سودا ہے (ملتقطا)۔(ت)

اسی میں ہے:

یتماری آجر المتحصل من تیمارہ لاٰخر بمبلغ معلوم لاتصح وعلٰی کل منہما رد ماتناولہ۔[37]	کھجور کے باغ والا اپنے باغ سے حاصل ہونیوالے پھل کو مقررہ نقد پر کسی دوسرے کو اجارہ پر دے دے تو صحیح نہیں ہے اور دونوں پر لازم ہے کہ ایک دوسرے کو واپس کردیں۔(ت)

اسی میں ہے:

قد اتفقت علماؤنا علی ان الاجارۃ اذا وقعت علی تناول الاعیان او اتلافہا فہی باطلۃ فاجارۃ القری لتناول الخراج مقاسمۃ کان او وظیفۃ باطل وقد افتیت بذٰلك مرارا۔[38] (ملتقطا)	ہمارے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب اجارہ اعیان چیزوں کے حصول یا ان کے تلف کرنے پر کیا جائے تو باطل ہوگا لہٰذا وظیفہ یا حصہ بٹائی والا گاؤں اجارہ پر اس لئے دینا کہ مستاجر اس کا وظیفہ اور حصہ عوض میں وصول کرلیا کرے تو یہ باطل ہے جبکہ میں نے بارہا یہ فتوٰی دیا ہے (ملتقطا)۔(ت)

اسی میں ہے:

المقرر فی کلام مشایخنا باجمعہم ان الاجارۃ علی استہلاك الاعیان باطلۃ	ہمارے مشائخ نے بالاتفاق یہ طے کیا ہے کہ اعیان چیزوں کو بطور ہلاکت قبضہ میں لینے پر اجارہ باطل ہے اور

---

[36] فتاوٰی خیریۃ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۷

[37] فتاوٰی خیریۃ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۸

[38] فتاوٰی خیریۃ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۹

وجعل العین منفعۃ غیر متصور فالاجارۃ حیث لم یقع علی الانتفاع بالارض بالزرع ونحوہ بل علی اخذ الخراج والدراھم المضروبۃ فھو باطل باجماع ائمتنا[39] (ملتقطا)	عین چیز کو نفع قرار دینا متصور نہیں ہوسکتا، تو جہاں زمین کا اجارہ زراعت وغیرہ سے انتفاع کے لئے نہ ہو بلکہ اس سے حاصل ہونے والے خراج اور وظیفہ مقررہ کو حاصل کرنے کے لئے ہو تو یہ بالاجماع باطل ہے(ملتقطا) (ت)

اسی کی کتاب الوقف میں ہے:

لاقائل من فقھاء الاسلام بصحۃ الالتزام فی اوقاف الانام لانك مھما اعتبرتہ کان باطلا، وکیف ماقومتہ کان مائلافان قدرتہ بیعا فھو بیع المعدوم او المجھول، وان قدرتہ اجارۃ فھی واقعۃ علی استھلاك الاعیان المعدومۃ الاٰتیۃ فیما یؤل، وھی فی الموجودۃ لاتجوز فکیف یستأجر منھا ماسیجوز وان اعتبرتہ واھبالما سیصرف ومتھبا لما سیقبض فالھبۃ فی مال الوقف لاتجوز ولو بعوض[40] اھ **اقول:** خص الکلام بالوقف لان السوال عنہ فاستدل بدلیل یخصہ والا فھبۃ المعدوم بطلانہ معلوم ولو فی الملک، قال فی الخیریۃ من الھبۃ وبھذا علم عدم صحۃ ھبۃ ما سیتحصل من محصول القریتین بالاولی لان الواھب نفسہ لم یقبضہ بعد فکیف یملکہ اھ[41]۔	فقہاءِ اسلام میں کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں کہ سرکاری اوقاف کے وظائف کو حاصل کرنے کی ذمہ داری مقررہ نقد کے عوض حاصل کرلے کیونکہ آپ اسے جس معنی میں اعتبار کریں غلط ہوگا، اگر آپ بیع فرض کریں تو یہ مجہول یا معدوم چیز کی بیع قرار پائے گی اور اگر اجارہ فرض کریں تو یہ معدوم آئندہ پائے جانے والے اعیان کو حاصل کرنے پر اجارہ ہوگا جبکہ یہ موجودہ اعیان میں بھی جائز نہیں تو معدوم میں کیسے جائز ہوگا، اور اگر آئندہ موجود ہونے اور مہیا ہونے والی چیز کا ہبہ فرض کرو تو یہ وقف چیز کا ہبہ قرار پائے گا جبکہ وقف چیز کا ہبہ معاوضہ کے طور پر بھی جائز نہیں، **اقول:** (میں کہتا ہوں) انہوں نے خاص وقف کے متعلق بات کی ہے کیونکہ سوال یہی تھا اس لئے انہوں نے وقف سے متعلق دلیل ذکر کی ہے ورنہ تو معدوم چیز کا ہبہ معلوم البطلان ہے اگرچہ ذاتی ملکیت ہو، خیریہ میں ہبہ کی بحث میں فرمایا کہ مذکورہ بحث میں معلوم ہوا کہ گاؤں کے بعد میں حاصل ہونیوالے محصول کا ہبہ بطریق اولٰی صحیح نہیں کیونکہ ابھی خود مالک کو ان پر قبضہ نہیں ہے تو وہ آگے کسی کو کیا قبضہ دے گا اھ (ت)

---

[39] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۳۵

[40] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۸۵

[41] فتاوٰی خیریہ کتاب الھبۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۱

فتاوٰی علامہ تاجی بعلی تلمیذ صاحب درمختار میں ہے:

ھذا اذا لم تکن الاجارة واردة علی استھلاك الاعیان قصدا. امااذاکانت کذٰلك بان کانت اراضی القریة فی ایدی مزارعین وانما استأجرھا المستأجر المرقوم لیأخذ ما یخصھا من خراج فھی باطلة کما صرح بذٰلك علماؤنا قاطبة[42]۔	یہ وہ صورت ہے جبکہ اعیان کو بطور ملکیت ہلاک کرنے پر اجارہ قصداً وارد نہ ہوا، اور اگر ایسا ہو کہ کسی گاؤں کی زمین مزارعین کے پاس ہو تو ان سے مقررہ محاصل وصول کرنے پر اجارہ کیا کہ مستاجر وصول کرلیا کرے تو یہ باطل ہے جیسا کہ ہمارے تمام علماء نے تصریح کی ہے۔(ت)

عقود الدریہ میں ہے:

وانظر مافی فتاوی الشیخ خیر الدین من الاجارات فقد افتی مرارا ببطلان ھذہ الاجارة المسماة بالمقاطعة والالتزام[43]۔	ہمارے شیخ خیر الدین کے اجارات کی بابت فتاوٰی پر غور کرو انہوں نے بارہا یہ فتوٰی دیا ہے کہ مقاطعہ اور التزام (ذمہ داری اور فیصلہ) کے عنوان سے جو اجارے کئے جاتے ہیں وہ باطل ہیں(ت)

ردالمحتار کتاب السیر میں قبیل فصل جزیہ ہے:

الواقع فی زماننا ان المستاجر یستاجر ھا لاجل اخذ خراجھا لاللزراعة ویسمی ذٰلك التزاما وھو غیر صحیح[44]۔	ہمارے زمانہ میں مستاجر حضرات خراج اور وظیفہ وصول کرنے کے لئے جو اجارہ طے کرتے ہیں وہ مزارعت کیلئے نہیں ہے اس لئے وہ باطل ہیں جس کا نام انہوں نے التزام بنا رکھا ہے(ت)

تو یہ کارروائی قطعًا اجماعًا حرام و باطل واقع ہوئی جس کے مورث نے یہ فعل کیا اس کے وارث پر تو کوئی الزام نہیں آتا، نہ وہ اس وجہ سے قابلیت تولیت سے عاری ہو جبکہ فی نفسہٖ وبرعایت شرائط واقف لائق تولیت ہو،

قال تعالٰی "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۚ"[45]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔(ت)

---

[42] العقود الدریۃ بحوالہ فتاوی علامہ التاجی البعلی کتاب الاجارۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۳۱

[43] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ کتاب الاجارۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۳۱

[44] ردالمحتار کتاب الجہاد باب العشر والخراج داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۶۶

[45] القرآن الکریم ۶۰/ ۱۶۴

محل نظر خود وہ متولی ہیں جو اس حرام کے مرتکب ہوئے یہاں ضرور فقیر ان وقائع کا اظہار کرے جو ۳۴ برس سے آج تک کسی تحریر میں ذکر نہ کئے یہ مسئلہ کہ دیہات کا رائج ٹھیکہ حرام قطعی ہے جو کچھ محاصل ہو سب مالک قریہ کا ہے اگر گاؤں مملوک ہو یا وقف کا، اگر موقوف ہو ٹھیکیدار کو اس میں سے ایک حبہ لینا حرام ہے اور جس سال نشست کم ہو تو ٹھیکیدار کو جتنا وصول ہوا اسی قدر مالک یا متولی کو لینا حلال ہے پوری رقم قرار یافتہ لینا حرام ہے مثلاً ہزار روپے سال کو ٹھیکہ تھا اور بارہ سو تحصیل ہوئے تو یہ دو سو ٹھیکے دار کو حرام ہیں مالک یا واقف کا حق ہیں اور آٹھ سو ملے تو مالک وواقف کو اسی قدر حلال، دو سو زیادہ حرام ہیں، باوصف کمال وضاحت اس دار الفتن ہندوستان میں ایسا خفی مسئلہ ہے جس سے یہاں کے اکابر علماء غافل محض، اور خود اس میں اور اس کی تحلیل میں مبتلا ہیں چودھویں صدی کے علماء میں باعتبار حمایت دین ونصرت سنت نیز بلحاظ تفقہ حضرت مولانا مولوی محمد عبدالقادر صاحب بدایونی رحمہ اللہ تعالٰی کا پایہ اکثر معاصرین سے ارفع تھا ایام ندوہ میں اور اس کے بعد جب فقیر نے سرگرم حامیان دین کے خطاب تجویز کئے ہیں حضرت مولانا مولوی محمد وصی احمد صاحب کو الاسد الاسد الاشد، مولوی قاضی عبدالوحید صاحب فردوسی کو ندوہ شکن ندوی فگن، مولانا ہدایت رسول صاحب لکھنوی کو شیر بیشہ سنت رحمہم اللہ تعالٰی، حاجی محمد لعل خان صاحب قادری برکاتی مدراسی سلمہ اللہ تعالٰی کو حامی سنت ماحی بدعت، اسی زمانے میں حضرت فاضل بدایونی قدس سرہ کو تاج الفحول سے تعبیر کیا جو آج تک ان کے اخلاف میں مقول ومقبول ہے اور وہ بیشک باعتبارات مذکورہ اس کے اہل تھے رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ رحمۃ واسعۃ، ایسے فاضل جلیل کے پاس ۱۳۰۲ھ میں جب فقیر کا فتوٰی اس ٹھیکے کی حرمت میں گیا جس میں اس وجہ سے کہ فقیر اس وقت اپنے دیہات میں تھا اور سوا خیریہ وردالمحتار کے کوئی کتاب ساتھ نہ لے گیا تھا فقط فتاوٰی خیریہ کی بعض عبارات تھیں، حضرت موصوف نے بعد تامل بسیار اس پر صرف اس مضمون سے تصدیق تحریر فرمائی کہ نظر حاضر میں ان عبارات سے عدم جواز ہی معلوم ہوتا ہے، جب فقیر شہر کو واپس آیا مفصل فتوٰی عبارات کثیرہ کتب عدیدہ پر مشتمل لکھ کر بھیجا، اب حضرت نے پورے وثوق سے تسلیم کیا اور یہ فرما بھیجا کہ اسکے جواز کے حیلہ سے اطلاع دو یہی حال اور علمائے اطراف کا ہے بعد سماع دلائل ووضوح تحریم یہی فرماتے پایا کہ حیلہ جواز نکالو یعنی عادتیں مستحکم ہوگئیں خود بھی ابتلا ہو چکا اور اس میں آرام بھی ہے لہذا حیلہ جواز کی تلاش ضرور ہوئی۔ مبارک ہیں وہ بندے کہ حکم پر مطلع ہو کر حق کی طرف رجوع لائیں اور اذنیان زمان کی طرح اپنے اور اپنے آباء واساتذہ کی عادت کو شرع مطہر کے رد کے لئے حجت نہ بنائیں۔ ردالمحتار کتاب الاجارہ میں ہے:

اذا تکلم احد بین الناس بذٰلك یعدون کلامه منکرا من القول وھذہ بلیة قدیمة، فقد ذکر العلامة قنالی زادہ	لوگوں میں جب یہ بات کی جاتی ہے تو اس کی بات کو لوگ غلط قول قرار دیتے ہیں، حالانکہ یہ مصیبت قدیم سے چلی آرہی ہے، چنانچہ علامہ قنالی زادہ نے ذکر کیا ہے

ان المسألة كثيرة الوقوع فى البلد ان واذا طلب رفع اجارتها يتظلم المستأجرون ويزعمون انه ظلم وهم ظالمون، وبعض الصدور والا كابر يعاونونهم ويزعمون ان هذا تحرك فتنة على الناس وان الصواب ابقاء الامور على ما هي عليه وان شر الامور محدثاتها ولايعلمون ان الشر فى اغضاء العين عن الشرع وان احياء السنة عند فساد الامة من افضل الجهاد واجزل القرب[46]۔(ملتقطا)	کہ بہت سے علاقوں میں یہ مسئلہ کثیر الوقوع ہے اور جب ایسے اجارہ کو ختم کرنے کی بات کی جاتی ہے تو مستاجر حضرات اپنے آپ کو مظلوم قرار دیتے ہیں اور اس کارروائی کو ظلم کہتے ہیں حالانکہ وہ خود ظالم ہیں، اور بعض معتبر حضرات اور اکابرین ان کی مدد کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ یہ کارروائی فتنہ کو ہوا دینا ہے حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ امور کو اپنی اصلی حالت پر رکھا جائے اور نئی بدعات کو شر قرار دیا جائے، وہ لوگ نہیں جانتے کہ شرع سے چشم پوشی میں شر ہے اور امت کے فساد کے وقت کسی سنت کو زندہ کرنا بہترین جہاد اور بڑی عبادت ہے۔(ت)

ردالمحتار وعقود الدریہ میں ہے: وھذا اعلم فی ورق[47] (یہ ایک ورق میں عظیم علم ہے۔ت) تحریر العبارۃ للعلامۃ الشامی میں ہے:

فعلم بهذا ان هذه علة قديمة ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم[48]۔	تو معلوم ہوا کہ یہ پرانی بیماری ہے، لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔(ت)

ایسا غامض مسئلہ کہ یہاں کے فحول علماء پر مخفی ہو اور عوام کی دوڑ انہیں تک ہے اگر عوام قبل اطلاع حکم اس میں مبتلا ہوں تو یہ نہ کہنا چاہئے کہ انہوں نے قصداً ارتکاب حرام یا وقف کی بدخواہی کی جس سے قابل تولیت نہ رہیں، واللہ یعلم المفسد من المصلح واللہ غفور رحیم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

[46] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰

[47] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰

[48] تحریر العبارۃ فیمن ھو احق بالاجارۃ رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۵۷